اسلام کے اقتصادی نظام میں ہر قسم کے اسراف کی سخت ممانعت ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵؍جولائی ۱۹۶۹ء بمقام مسجد نور۔ راولپنڈی)

☆ اسلامی تعلیم انسان کی تمام قابلیتوں کی کامل نشو ونما کرتی ہے۔
☆ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے قرب کے لئے پیدا کیا ہے۔
☆ حقیقی تدبیر کرنے والی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔
☆ ہمیں ہر چیز میں ایک تدریجی ارتقاء نظر آتا ہے۔
☆ ہر ایک کو کم از کم ضروریات زندگی ضرور میسر آنی چاہئے۔

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اسلامی تعلیم انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھتی اور انسان کی تمام قوتوں اور قابلیتوں کی کامل نشوونما کرتی ہے میں گزشتہ متعدد خطبات سے اسلام کے اقتصادی نظام کو ایک خاص نقطۂ نگاہ سے بیان کر رہا ہوں۔ میں نے بتایا تھا کہ جس طرح ہر دوسرے شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والی اسلامی تعلیم عبادت کے سب تقاضوں کو پورا کرتی اور اس مقصد کے حصول میں ممد ومعاون ہوتی ہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنے مقصد حیات یعنی اللہ تعالیٰ سے ایک زندہ محبت اور قرب کا تعلق حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح اقتصادیات کا بھی زندگی کے ایک شعبہ سے تعلق ہے۔ اس شعبہ زندگی کے متعلق بھی انسان کو ایک کامل اور مکمل تعلیم دی گئی ہے اور جو اسلامی ہدایات اقتصادی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں وہ درحقیقت عبادت ہی کا ایک حصہ ہیں اور عبادت کے سب تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کرتی ہیں۔

میں نے بتایا تھا کہ قرآن کریم کی اس آیۂ کریمہ

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (البينة: ٦)

میں مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ میں ایسے گیارہ تقاضوں کا ذکر ہے جن کا حقیقی عبادت سے تعلق ہے۔ اس حقیقی عبادت کا تعلق ہماری زندگی کے ہر شعبہ سے انسان کے ہر فعل بلکہ اس کی ہر حرکت اور سکون سے بھی ہے۔ غرض اسلام کا اقتصادی نظام بھی حقیقی عبادت کے ان تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے جن کا ذکر مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ میں پایا جاتا ہے۔

آج میں حقیقی عبادت کے جس تقاضے کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ ان گیارہ تقاضوں میں سے آٹھواں تقاضا ہے۔ لغت میں ”الدِّيْنَ“ کے ایک معنی تدبیر کے بھی کئے گئے ہیں۔ پس اس لحاظ سے

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کے معنے یہ ہوں گے کہ اے بنی نوع انسان! تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور اس عبادت کے سب تقاضوں کو پورا کرو۔ منجملہ ان تقاضوں کے ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ تمہاری ساری کی ساری تدابیر اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کا رنگ رکھنے والی ہوں۔

قرآن کریم نے ہمیں بتایا ہے کہ مدبر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے وہی ساری تدابیر کا سرچشمہ اور منبع ہے۔ اس سارے عالمین یعنی آسمانوں اور زمین پر اسی کی تدبیر محیط ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ (الرعد: ۳)

کہ اللہ تعالیٰ ہر امر کے متعلق تدبیر کرتا ہے اور اس کا انتظام کرتا ہے اور وہ یہ انتظام اس لئے کرتا ہے کہ وہ مخلوق جسے اس نے اختیار دیا ہے عقل و سمجھ اور فکر و تدبر کی قوت عطا کی ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے اس تدبیری نظام میں بہت سی نشانیاں اور علامات اور نمونے قائم ہو جائیں تا کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لے تو لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ کی رو سے اس کا اللہ تعالیٰ سے ایک قرب، ایک محبت کا تعلق قائم ہو جائے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔

پس غور و فکر کرنے والا انسان اس یقین پر قائم ہو جاتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ عالم اور یہ سارا الٰہی نظام واقعی اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے بے شمار پہلوؤں پر مشتمل ہے اور اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے قرب کے لئے، اپنے وصال کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سورہ سجدہ میں فرماتا ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (سجدہ: ۶)

اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک اپنے حکم کو قائم کرنے کے لئے تدبیر کرتا ہے، منصوبہ بناتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا منصوبہ انسان کے منصوبہ سے بہت ہی مختلف ہوتا ہے انسان کو بہت سے اعداد و شمار اکٹھے کرنے پڑتے ہیں، گھنٹوں سوچنا پڑتا ہے دوسروں سے مشورے لینے پڑتے ہیں اور جو حقیقی مومن ہیں ان کو بڑی دعائیں کرنی پڑتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنی پڑتی ہے۔ تب جا کر انسانی منصوبہ بنتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی نہیں وہ تو زمان و مکان کی قیود سے بالا ہستی ہے وہ اپنی تدبیر کا ایک سیکنڈ میں (اگرچہ سیکنڈ کا تعلق وقت سے ہے اور یہ محاورہ غلط سہی لیکن اپنے مفہوم کو سمجھانے کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں یا کروڑویں

حصہ یا جو بھی کہہ لیں اس کے اندر) اپنی تدبیر کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ ’’کُنْ فَیَکُوْنَ ‘‘ والا معاملہ ہوتا ہے۔

بہر حال ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو جاری کرنے کے لئے تدبیر کرتا ہے اور اس کی یہ تدبیر آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ اس لئے حقیقی تدبیر کرنے والی ہستی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسری مخلوق سے جداگانہ قوتیں اور استعدادیں دی ہیں۔ ایک ہرن کی قوت اور قابلیت انسان کی قوت اور قابلیت سے مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس رنگ میں جسمانی قویٰ بخشے ہیں اس قسم کے قویٰ دوسری مخلوق یعنی جانداروں وغیرہ کو نہیں عطا کئے۔ حالانکہ جسمانی لحاظ سے انسان اور دوسرے جاندار بظاہر ایک جیسے اور مشترک القویٰ ہیں۔ لیکن جس رنگ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسمانی قویٰ اور قابلیتیں بخشی ہیں اس رنگ میں جانوروں کو طاقت اور قابلیت عطا نہیں کی کیونکہ ایک انسان کو جو جسمانی قوت، قابلیت اور استعداد دی گئی ہے اس کا اثر اس کے اخلاق پر پڑتا ہے لیکن ایک ہرن کو جو جسمانی قوت اور طاقت دی گئی ہے اس کا اثر اس کے اخلاق پر نہیں پڑتا کیونکہ اخلاق کا تعلق انسان سے ہے ہرن سے نہیں۔ انسان کو جو جسمانی قوتیں عطا ہوئی ہیں ان کی صحیح یا غلط نشوونما کے نتیجہ میں اس کا ذہن بھی متاثر ہوتا ہے اس کے اخلاق بھی متاثر ہوتے ہیں اور اس کی روحانیت بھی متاثر ہوتی ہے لیکن ایک ہرن یا کسی دوسری جاندار چیز کے ذہن یا اخلاق یا روحانیت کے متاثر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جانوروں کی ذہنی نشوونما صرف عادت یا تجربے سے تعلق رکھتی ہے۔ عقل وفکر اور تدبر و بیان کی قوت انہیں حاصل ہی نہیں یہ شرف صرف انسان کے حصہ میں آیا ہے۔ پس چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علاوہ جسمانی قوتوں اور قابلیتوں کے اسے ذہنی اور اخلاقی اور روحانی قوتیں اور قابلیتیں بھی عطا کی تھیں اور ساتھ ہی ہر قسم کی قوتوں کی کامل نشوونما کے سامان بھی پیدا کئے تھے اور اس سے الٰہی منشاء یہ تھا کہ انسان جہاں اپنی جسمانی قوتوں کی نشوونما کو اس کے کمال تک پہنچائے وہاں وہ اپنی ذہنی، اپنی اخلاقی اور اپنی روحانی قابلیتوں کو بھی ان کے نشوونما کے کمال تک پہنچائے۔ اس کے لئے انسان کو کسی حد تک آزادی اور اختیار دینا ضروری تھا اور چونکہ اختیار دینا تھا اس لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے لئے ہدایت یا رہنمائی کے سامان مہیا کئے جائیں تاکہ اس ہدایت کی رہنمائی میں اس کی تمام قوتوں کی کماحقہ نشوونما ہو سکے اور وہ بنیادی ہدایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کی صفات کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ۔ یہی وہ بنیادی ہدایت ہے جس کا تمام انبیاء پرچار کرتے رہے ہیں ہر ایک اُمت نے اپنے اپنے

وقت میں اپنی قوتوں کو اعلیٰ مقام تک پہنچانے کے لئے اس ہدایت سے فائدہ اُٹھایا لیکن اُمت محمدیہ تو نبی اکرم ﷺ کے فیوض کے نتیجہ میں اور اس کامل ہدایت کی وجہ سے جو آپ پر نازل ہوئی خیر اُمت قرار دی گئی۔ اس تعلیم سے اُمت محمدیہ نے سب سے زیادہ فائدہ اُٹھایا اور انہیں اُٹھانا بھی چاہئے تھا کیونکہ قرآن کریم سے باہر اس قسم کی کوشش کہ انسان اپنے ربّ کی صفات کا کامل طور پر ہمرنگ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق کا لباس جسے ہم لباس تقویٰ بھی کہتے ہیں وہ پہن لے یہ شرف اُمت محمدیہ کے باہر ممکن ہی نہیں کیونکہ دوسرے مذاہب کے پاس کامل شریعت نہیں ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے چونکہ صرف جسمانی ہی نہیں بلکہ ذہنی، اخلاقی اور روحانی قوتوں کی نشوونما کے سامان بھی پیدا کئے ہیں۔ اس لئے جہاں تک انسان کا تعلق تھا اللہ تعالیٰ نے تدبیر کامل کے ایک حصہ کو انسان کے لئے چھوڑ دیا۔ لیکن جہاں تک دوسری مخلوق مثلاً جانوروں اور درختوں اور پودوں کا تعلق تھا، پتھروں اور ہیروں اور جواہرات کا تعلق تھا، اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں پر اپنی تدبیر کا کامل جلوہ ظاہر فرمایا۔ ان کی ساخت و پرداخت میں کسی اور کی مدد یا ان کی اپنی تدبیر کی کوئی ضرورت باقی نہیں رکھی۔ ہر چیز کی جتنی اور جس رنگ کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ضروری سامان پیدا کر دئے مثلاً ہرن ہی کو دیکھ لیجئے اس کے کھانے کی جو ضرورت تھی اس کے سامان پیدا کر دیئے گئے۔ ان کے لئے یہ ضرورت باقی نہیں رہی کہ ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کوئی اقتصادی منصوبہ بنائے یہی حال دوسری مخلوق کا ہے کیونکہ ان کو وہ عقل نہیں دی گئی جو انسان کو دی گئی ہے۔ ان کو وہ اخلاقی قوتیں اور استعدادیں نہیں عطا کی گئیں جو انسان کو عطا کی گئی ہیں ان کو وہ روحانی قوتیں اور قابلیتیں نہیں دی گئیں جو انسان کو عطا ہوئی ہیں۔ پس یہ جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی قوتیں اور استعدادیں صرف انسان کو بخشی گئی ہیں۔ ان قوتوں کی نشوونما کے لئے ضروری تھا کہ انسان کو اختیار دیا جائے اور پھر اس کو کہا جائے کہ یہ راستہ ہدایت کا ہے اور یہ راستہ گمراہی کا ہے۔ ہدایت کے راستہ پر چلو گے تو اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرو گے اپنی قوتوں کو ان کی نشوونما کے کمال تک پہنچا سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ قوتیں اسی لئے ودیعت کی ہیں کہ وہ اس کا قرب حاصل کرے کیونکہ جو شخص اپنی ہر قسم کی قوتوں اور استعدادوں کو صحیح راہوں پر پرورش کر کے ان کی نشوونما کے کمال تک پہنچاتا ہے وہی کمال قرب الٰہی کو حاصل کر سکتا ہے ورنہ اس کے بغیر قرب الٰہی کا حصول ممکن ہی نہیں۔

پس چونکہ انسان کی ہر قسم کی قوتوں اور استعدادوں کی کمال نشوونما مطلوب تھی اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ میں انسان کو بھی شامل کیا اور کہا کہ اے انسان! میں نے تجھے ہر دوسری مخلوق پر فوقیت بخشی ہے۔ دوسری مخلوق کے لئے تدبیر کرنا ضروری نہیں لیکن تیرے لئے ضروری ہے کیونکہ تیری کامیابی اس کے بغیر ممکن ہی نہیں لیکن تیری ہر تدبیر مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کے مطابق خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے ہونی چاہئے اگر تیری تدبیر خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہوگی تو پھر تو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا تو اپنی قوتوں اور قابلیتوں کی صحیح نشوونما نہیں کر سکے گا۔

سورہ سجدہ میں مذکورہ آیت نمبر ۶ سے پہلے اور بعد کی بھی بہت سی آیات میں دراصل یہی مضمون بیان ہوا ہے چونکہ خطبہ میں زیادہ لمبا مضمون بیان نہیں ہوسکتا اس لئے میں نے اس میں سے بعض ٹکڑے منتخب کر لئے ہیں۔ شاید ان میں سے بھی مجھے کچھ چھوڑنے پڑیں گے غرض سورہ سجدہ کی اس چھٹی آیت میں بتایا کہ مدبر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہی آسمانوں اور زمین کی تدبیر میں لگا ہوا ہے۔ اس کے بعد آٹھویں آیت میں فرمایا: الَّذِيْ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ

کہ اللہ تعالیٰ نے جو مدبر حقیقی یعنی آسمانوں اور زمین کی تدبیر میں لگا ہوا ہے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے اعلیٰ طاقتوں کے لئے پیدا کیا ہے۔

ہمیں ہر چیز میں ایک تدریجی ارتقا نظر آتا ہے۔ درخت میں بھی، اور جانور میں بھی، تدریج کا اصول جاری ہے حتّٰی کہ اگر ہم اپنی نظر کو زمانہ کی وسعتوں میں پھیلا کر دیکھیں تو ہمیں صاف پتہ لگتا ہے کہ جمادات میں بھی تدریجی ترقی کا اصول کارفرما ہے مثلاً زمین سے ارتقائی مدارج طے کرنے کے بعد کوئلہ اور ہیرے اور جواہرات بھی بنتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ میں نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے اس میں بڑی طاقتیں رکھی ہیں میری تدبیر ہی کے نتیجہ میں میری مخلوق کی قابلیتیں اُجاگر ہوتی ہیں اور ان کی طاقتوں کی صحیح نشوونما ہوتی ہے۔ میری تدبیر کے نتیجہ میں میرے ہی منشاء کے مطابق ہر چیز اپنی شکل اختیار کرتی ہے۔ ایک یہ ہیرا ہے کتنے نامعلوم سالوں اور زمانوں میں سے گزر کر وہ ہیرا بنا اسی طرح صدیاں گزرنے کے بعد کہیں جا کر پتھر کا کوئلہ بنتا ہے لیکن جو چیز پتھر کا کوئلہ بنتی ہے وہ کوئلہ نہیں بن سکتی تھی جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اندر یہ طاقت نہ رکھتا اور اس طاقت کے نشوونما کے سامان نہ پیدا کرتا۔

پس يُدَبِّرُ الْاَمْرَ کے بعد ہمیں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ہر چیز کا مربی اور مدبر اللہ تعالیٰ ہی کی

ذات ہے جو بھی منصوبہ اس وقت دنیا کی ہر مخلوق پر حاوی اور حاکم ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کارفرما ہے جس کے نتیجہ میں ہر چیز کی اعلیٰ طاقتیں اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہیں لیکن انسان دوسری مخلوق سے مختلف ہے چنانچہ انسان کے متعلق اسی سورۃ کی دسویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ - (السجدہ:۱۰)

ہم نے انسان کو مکمل طاقتیں دی ہیں اور جیسا کہ ہمیں دوسری جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جو طاقتیں عطا ہوئی ہیں ان طاقتوں کا تعلق صرف انسانی جسم سے نہیں بلکہ اس کے ذہن سے بھی ہے اس کے اخلاق سے بھی ہے اس کی روحانیت سے بھی ہے دوسری مخلوق کو صرف جسمانی طاقت ملی ہے جبکہ انسان کو یہ چاروں قسم کی طاقتیں ملی ہیں۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ایک حد تک انسانی ذہن سے کچھ خفیف سا ملتا جلتا ذہن جانوروں کو بھی ملا ہے لیکن وہ انسانی ذہن سے اتنا مختلف ہے اور اس میں اتنا فرق ہے کہ ہم اس کو نظرانداز کر سکتے ہیں۔ مثلاً انسان کے علاوہ کوئی جانور چاند پر جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن انسان نے سوچا اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کو سمجھا اور اس سے فائدہ حاصل کیا اور چاند پر پہنچ کر واپس بھی آ گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہ صرف جسمانی طاقتیں دی ہیں بلکہ ذہنی، اخلاقی اور روحانی طاقتوں سے بھی نوازا ہے اور اس طرح انسان کو دوسری مخلوق کے مقابلہ میں ایک ارفع مقام عطا کیا ہے اس لئے فرمایا کہ میں نے ان طاقتوں کے عطا کرنے کے بعد ان کی کامل نشوونما کے لئے صرف وہ سامان پیدا نہیں کئے جو غیر انسان کی طاقتوں کے لئے پیدا کئے گئے تھے بلکہ ایک نیا سامان بھی پیدا کیا ہے اور وہ نفخ روح ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ سب طاقتیں دینے کے بعد اس سے فرمایا کہ میں یہ طاقتیں تجھے دیتا ہوں اگر تو ان کی صحیح نشوونما کر سکے اور اس نشوونما کو کمال تک پہنچا سکے تو آخری نتیجہ یہ نکلے گا کہ تو میرا ایک پیارا بندہ بن جائے گا لیکن تو اپنی قوتوں اور طاقتوں کی صحیح نشوونما نہیں کر سکتا جب تک تجھے میرے الہام اور وحی کی روشنی حاصل نہ ہو اس لئے میں نے تیرے لئے یہ سامان بھی پیدا کر دیا ہے تا کہ یہ نعمت میسر آ جانے کے بعد تیرے لئے یہ ممکن ہو جائے کہ تو اپنی طاقتوں کو اس رنگ میں کمال تک پہنچائے کہ تیرا ربّ تجھ سے راضی ہو جائے یہ شرف انسان کو نفخ روح یعنی الٰہی کلام کے نازل ہونے کے نتیجہ میں عطا ہوتا ہے۔ ہر زمانہ کے لحاظ سے انسان بحیثیت نوع جس قدر اپنی قوتوں کو کمال تک پہنچا سکتا تھا اور اس ضرورت کو پورا

کرنے کے لئے جس الہام کی ضرورت تھی ، جس ہدایت کی ضرورت تھی وہ اس کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ عطا کی جاتی رہی اور پھر نبی کریم ﷺ کے طفیل اور آپ کے ذریعہ سے وہ کامل ہدایت اور اکمل شریعت اور اعلیٰ تعلیم نازل ہوئی کہ اگر انسان اس پر عمل کرے تو انسانیت کے کمال کو پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین بندہ بن سکتا ہے۔ یہ بلند مرتبہ پہلی امتوں کے لئے ممکن ہی نہیں تھا پہلی اُمتوں اور اُمت محمدیہ کے درمیان (بلحاظ مرتبہ ومقام کے) فرق کو میں نے دوسری آیات سے لیا ہے ویسے آیت زیر بحث میں عام معنی مراد ہیں یعنی ہر زمانہ کے انسان کو بحیثیت انسان یہ چاروں قسم کی قوتیں اور قابلیتیں عطا ہوتی رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان دیکھ! میں نے تجھے جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی قوتوں سے سرفراز کیا ہے اور پھر ان کی صحیح نشوونما کے لئے خود تیری رہنمائی کی ہے خود تیری انگلی پکڑی اور تجھے سیدھے راستے پر چلایا ہے۔ ہم نے تجھے ایسے کان دیئے ہیں جو دوسری مخلوق کو عطا نہیں ہوئے۔ ہم نے تجھے ایسی آنکھیں دی ہیں جو دوسری مخلوق کو عطا نہیں ہوئیں۔ ویسے شاید ہمارے بچے حیران ہوں کہ آنکھ کی عطا کا صرف انسان پر حصر کیوں کیا جا رہا ہے حالانکہ ہرن کو بھی آنکھ دی گئی ہے، عقاب کو بھی آنکھ دی گئی ہے، مرغابی کو بھی آنکھ دی گئی ہے اور مرغی کو بھی آنکھ دی گئی ہے۔ تمام پرندوں چرندوں کو آنکھیں دی گئی ہیں حتّٰی کہ رینگنے والے بعض کیڑوں تک کو آنکھیں دی گئی ہیں۔ لیکن یہاں عام طور پر مخلوقات کو جو آنکھیں دی گئی ہیں ان کا یہاں ذکر نہیں ہے یہاں اس آنکھ کا ذکر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے کہ جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ اگلے جہان میں بھی اندھا ہو گا یعنی وہ نابینائی اور اندھا پن جس کے نتیجہ میں انسان اللہ تعالیٰ کی وحی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے انقلاب کو دیکھنے اور اس سے فائدہ اُٹھانے سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی قوتوں کو وہ کمال حاصل نہیں ہو سکتا جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں کان دیئے ہیں جن سے تم میری وحی کو سن سکتے ہو میں نے تمہیں آنکھیں دی ہیں جن سے تم اپنی بصارت اور بصیرت کے نتیجہ میں میری آیات کو دیکھ سکتے ہو۔ میں نے تمہیں ایسا ذہن عطا کیا ہے کہ کان اور آنکھ کے ذریعہ سے جو علم تم حاصل کرتے ہو اس سے وہ صحیح نتیجہ نکال سکتا ہے گویا انسان ان قویٰ کے ذریعہ اپنے کمال کو پہنچ سکتا ہے ہر فرد اپنے کمال کو پہنچ سکتا ہے، ہر قوم اپنے کمال کو پہنچ سکتی ہے۔ بنی نوع انسان اپنے کمال کو پہنچ سکتے ہیں۔ مسلمان قرآن کریم کے پہلے مخاطب

ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیروں سے ممتاز کرنے کے لئے فرقان بخشا ہے۔ اسلام مسلمان سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر وہ قرآنی تعلیم پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت حاصل کرے گا اللہ تعالیٰ کا حقیقی بندہ بن جائے گا اور اس کی عبادت کے تمام تقاضوں کو پورا کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی لازوال محبت اسے ملے گی جو کسی غیر کو مل ہی نہیں سکتی۔ لیکن باوجود اس کے کہ ہم نے تمہیں غیر سے ممتاز کیا ہے پھر بھی قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ تم میں سے بہت تھوڑے ہیں جو میرے شکر گزار بندے بنتے ہیں۔ ویسے تو قرآن کریم کے مخاطب تمام بنی نوع انسان ہیں لیکن قرآن کریم جب اپنے مخاطب سے بات کر رہا ہو یا اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعہ اپنے بندے سے بات کر رہا ہو تو کبھی وہ ایک گروہ کو اور کبھی وہ دوسرے گروہ کو مخاطب کر لیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس کے ایک معنی یہ بھی کر سکتے ہیں کہ مسلمان کو مخاطب کر کے کہا جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ تمہیں کان دیئے، تمہیں آنکھیں دیں اور تمہیں دل دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کی تعلیم کو سنو اس کے نشانوں کو دیکھو اور پھر صحیح نتیجہ اخذ کرو۔ اپنی قوتوں اور استعدادوں کی کماحقہ نشوونما کر کے اللہ تعالیٰ کے قرب کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرو۔ تم بڑے ہی خوش بخت انسان ہو جنہیں اسلام جیسا مذہب ملا، اس پر عمل کرنے کی توفیق ملی اور اس پر عمل پیرا ہونے کا جو انعام ہے یعنی محبت الٰہی وہ تمہیں نصیب ہوئی۔ لیکن اے وہ بدبخت انسان جس نے قرآن کریم کی آواز پر لبیک نہیں کہا تو کتنا بدبخت ہے فطرت کی آواز پر تو نے کان نہیں دھرے۔ اللہ تعالیٰ کی وحی کے نتیجہ میں ایک انقلاب عظیم بپا ہوا مگر تو نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا اور تو نے اپنے گردوپیش کے حالات سے وہ نتیجہ نہ نکالا جو ایک صحیح دل نکال سکتا تھا۔ آخر نتیجہ یہ نکلا کہ تو اللہ تعالیٰ کی ناشکری پر اتر آیا۔ تو نے اس کے قرب کی راہوں کی بجائے اس سے دوری کی راہوں کو اختیار کر لیا اور اس طرح تو اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہا جس مقصد کے لئے تجھے پیدا کیا گیا تھا۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے سورہ سجدہ کی اس مذکورہ بالا آیت (اور اس سے پچھلی آیتوں کو ملا کر کیونکہ سارا مضمون ایک ہی چل رہا ہے) میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ انسان کو ہر لحاظ سے کامل اور مکمل طاقتیں عطا ہوئی ہیں اور پھر ان طاقتوں کی کماحقہ نشوونما کے لئے یہ سامان بھی پیدا کیا کہ اس کے لئے اپنی وحی کی روشنی کا حصول ممکن بنا دیا انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہے اور اس کے دل میں اپنے رب کی محبت حاصل کرنے کی خواہش بھی موجزن ہو تو وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے انسانی طاقتوں کی صحیح نشوونما کے لئے اسے کان دیئے گویا کان کا ایک چشمہ جاری کیا اور جیسا کہ دوسری جگہ سے ہمیں پتہ لگتا ہے یہ چشمہ اپنی پوری روانی کے ساتھ، اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے روحانی وجود مبارک سے نکلا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محض الہام تمہیں میرے قرب کا وارث نہیں بنا سکتا تھا کیونکہ الہام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ یہ تو شہد کی مکھی کو بھی ہوتا ہے لیکن قرب الٰہی کا جو مقام انسان کو حاصل ہو سکتا ہے اور عملاً بہت سے انسانوں کو حاصل ہوا اور بالآخر رسول کریم ﷺ کے وجود میں اپنے عروج کو پہنچا وہ شہد کی مکھی کو تو حاصل نہیں ہو سکتا۔

پس فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے الہام کا چشمہ جاری کیا ہے لیکن جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ کہ تیرے اندر وہ مطلوبہ طاقت ہونی چاہئے کہ جس رنگ میں تجھے اللہ تعالیٰ کا الہام سننا چاہئے اس رنگ میں سنے اور پھر ساتھ ہی جس رنگ میں اللہ تعالیٰ کی آیات کو دیکھنا چاہئے اس رنگ میں دیکھے اور پھر اس سے ایک صحیح نتیجہ نکالنے میں کامیاب بھی ہو جائے کیونکہ خدا تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بننے کا راز اسی میں مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحی پر غور کرنے اور اس کی آیات کو دیکھنے کے بعد انسان مختلف منصوبے بناتا ہے بعض منصوبے اس کے جسم سے تعلق رکھتے ہیں، بعض اس کے ذہن سے تعلق رکھتے ہیں، بعض اس کے اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض اس کی روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم اس وقت اس منصوبہ کی بات کر رہے ہیں جو اس کے جسم سے تعلق رکھتا ہے۔ ویسے یہ سارے منصوبے درحقیقت ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں۔ لیکن ہم اس وقت اس کی ایک کڑی یعنی اقتصادی نظام کے متعلق بات کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ فرمایا ہے:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔ (یونس: ۳۲)

سورہ سجدہ کے شروع میں بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو اپنی تدبیر سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اب یہاں یہ فرمایا ہے کہ اس تدبیر کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آسمان اور زمین سے انسان کے لئے رزق مہیا ہوتا

ہے اور یہ دراصل آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے بہت سے جلووں میں سے ایک جلوہ ہے۔ سورہ سجدہ کی آیہ کریمہ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ میں جو ایک وسیع مضمون بیان ہوا تھا سورۃ یونس کی مندرجہ بالا آیت اس مضمون کے ایک باب کی طرف متوجہ کرتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی تدبیر آسمانوں اور زمین میں کارفرما ہے اور ہمیں اس کے بہت سے جلوے نظر آتے ہیں ان میں سے ایک جلوہ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کے الفاظ میں پنہاں ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے نتیجہ میں کائنات عالم میں تمام انسانوں کے لئے ''رزق'' کا سامان پیدا کیا جاتا ہے۔

''رزق'' کے معنے صرف کھانے کی اشیا کے نہیں ہوتے بلکہ اس لفظ کو ہم ضروریات زندگی کے تمام سامانوں سے تعبیر کر سکتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر کے نتیجہ میں انسانی ضرورتوں کے پورا ہونے کے لئے تمام سامان پیدا ہوئے۔ آگے اس کی تقسیم میں دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھا گیا۔ یعنی نہ صرف سامان پیدا کئے بلکہ اس پیداوار اور اس عطا کی تقسیم کے لئے بھی ایک بڑا ہی حکیمانہ طریق بتایا۔ اقتصادیات میں بھی دو مسائل بڑے اہم ہیں ایک ہے پیداوار کا اور دوسرا ہے اس پیداوار کی تقسیم کا۔ ہمارے تمام اقتصادی مسائل انہی دو نقطوں کے گرد گھومتے ہیں یعنی ایک چیز کو کتنی مقدار میں کتنے عرصے میں پیدا کیا جائے اور پھر اس کی پیداوار کو کس رنگ میں شہریوں میں تقسیم کیا جائے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے آسمان اور زمین میں تدبیر کی اور اس کے نتیجہ میں انسان کی ہر ضرورت کو پورا کر دیا۔ اب کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ اے میرے رب تو نے مجھے جسمانی قوتیں اور طاقتیں تو بڑی عطا کی تھیں لیکن ان کی صحیح نشوونما اور اس کے کمال تک پہنچانے کے سامان مہیا نہیں کئے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اے خدا! تو نے مجھے ذہن تو بڑا اچھا دیا تھا لیکن تو نے مجھے ایسے سامان نہیں دیئے کہ میں اپنی ذہنی قوتوں کو ان کی نشوونما کے کمال تک پہنچا سکوں۔ میں نے دسویں جماعت کا امتحان پاس کیا میں آگے پڑھ نہیں سکا اے خدا! میں اس لئے نہیں پڑھ سکا کہ تو نے وہ سامان نہیں پیدا کئے جن سے میں اپنی پڑھائی کو آگے جاری رکھ سکتا۔ اسی طرح شخص یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اے میرے ربّ! تو نے مجھے اخلاقی قوتیں تو بہت عطا کی تھیں لیکن یہ اخلاقی قوتیں جن اصولوں سے اور جس ماحول میں پرورش پاتی ہیں اور اپنے کمال کو حاصل کیا کرتی ہیں تو نے وہ ماحول نہیں پیدا کیا، وہ حالات نہیں پیدا کئے۔ اس لئے میری اخلاقی قوتیں اپنی نشوونما کی جدوجہد ہی میں ہلاک ہو گئیں اور اپنے نقطہ عروج کو نہیں پا سکیں۔

اسی طرح کوئی شخص یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اے خدا! تو نے مجھے روحانی قوتوں سے تو وافر حصہ عطا فرمایا تھا لیکن تو نے روحانی رفعتوں کے حصول کے سامان مہیا نہیں فرمائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور یہی سچ ہے اور اللہ ہی حق ہے کہ میں نے ربّ العالمین کی حیثیت سے تمام قوتوں کو پیدا کیا اور ساتھ ہی ان کی نشوونما کے لئے جس جس چیز کی ضرورت واحتیاج تھی میں نے وہ بھی پیدا کر دی ہے اگر کسی شخص کی ضرورت پوری نہیں ہوئی تو وہ مظلوم ہے اور اس کے ماحول میں کوئی ظالم ہے جس کی وجہ سے اسے اپنا حق نہیں مل سکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو جس طرح میں نے ہرن کو قوت اور طاقت دی اور اس کی قوت اور طاقت کی نشوونما کے سامان پیدا کئے اور وہ اس کو مل بھی گئے اس کو کوئی منصوبہ نہیں بنانا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی طرح میں تمہارے ساتھ بھی کر سکتا تھا انسانی جسم کے لئے جس قسم کی غذاؤں کی ضرورت تھی وہ اسے بھی جانوروں کی طرح میسر آجاتیں اگر آپ کی آنکھیں ہیں یعنی ''اَلسَّمْعُ'' کے معنوں میں آنکھیں رکھتے ہیں اور آپ کو جنگل میں جانے کا اتفاق ہو تو آپ دیکھیں گے کہ بھیڑ بکریاں اکٹھی ایک گلے میں چر رہی ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ بکری ایک بوٹی کو منہ لگائے گی مگر جلد ہی ناک منہ چڑھاتے ہوئے اسے چھوڑ کر آگے نکل جائے گی کیونکہ یہ غذا اس کے لئے ٹھیک نہیں ہوگی۔ اس کے دو منٹ بعد بھیڑ آئے گی وہ اس بوٹی کو سنگھے گی اور پھر بڑی خوشی سے اسے کھانا شروع کر دے گی۔ غرض بکری کے لئے جو سامان پیدا کیا ہے اس کی فطرت کے اندر اس کے پہچاننے کی قوت رکھ دی ہے۔ وہ غذا اسے خود بخود مل جاتی ہے خود اس کی فطرت اس کا ڈاکٹر اس کا قائد و رہنما ہوتی ہے اسی طرح بھیڑ سے کہا کہ جو تیری ضرورت ہے وہ تجھے معلوم ہو جائے گی شیر کو کہا کہ جو تیری ضرورت ہے اس کا تجھے پتہ لگ جائے گا وغیرہ۔

غرض ہر چیز کو اس کی ضرورت کا خود بخود پتہ لگ جاتا ہے۔ جانور تو پھر بھی کسی حد تک احساس رکھتے ہیں نباتات تک کو اپنی ضرورتوں کا پتہ لگ جاتا ہے مثلاً ہر درخت کی جڑوں کو پنپنے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اس کا انہیں پتہ لگ جاتا ہے۔ ہمارے ربوہ کی زمین میں شور اور کلر بہت زیادہ ہے اپنے دیگر افراد خاندان کی طرح مجھے بھی درخت لگانے کا بہت شوق ہے درختوں، پودوں اور پھولوں سے پیار کرنا ہماری طبیعتوں میں رچا ہوا ہے شروع میں جب میں لاہور سے ربوہ منتقل ہوا تو میں نے لاہور سے کئی سو قسم کے پودے لا کر ربوہ میں لگائے لیکن آٹھ دس قسموں کے سوا باقی سب پودے مرجھا گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے ہوا کہ یہ نقل مکانی میں نے کی تھی مگر پودوں کو یہ فضا راس نہ آئی وہ مرجھا گئے۔ جب

میں نے پودا لگایا تو اس کی جڑوں نے محسوس کیا کہ یہاں کی مٹی ہمارے کھانے کی غذائیت نہیں ہے چنانچہ وہ ختم ہو گئے لیکن بعض پودے ایسے بھی تھے جنہوں نے بڑے شوق سے اس مٹی کو پسند کیا اور دنوں مہینوں میں انہوں نے اتنا قد نکالا اور اتنا پھیلاؤ آ گیا کہ ہم حیران ہو گئے۔ ان میں ایک یوکلپٹس بھی تھا یہ شور زمین کو بہت پسند کرتا ہے۔ جس شور اور کلر والی زمین میں اور کوئی درخت نہ اُگ سکتا ہو وہاں یہ بڑی آسانی سے ہو جاتا ہے۔

پس نہ صرف جانوروں بلکہ نباتات کے اندر اس کا ڈاکٹر بھی پیدا کر دیا۔ اس کا باورچی بھی پیدا کر دیا۔ اس کا درزی بھی پیدا کر دیا مثلاً اس کی فطرت میں درزی کا مظاہرہ ہم اس طرح دیکھتے ہیں کہ ایک درخت ہے اس کے پتے چکنے مخملی لباس کی خاصیت رکھتے ہیں بارش ہوتی ہے تو ایک سیکنڈ کے لئے پانی کا قطرہ ان پر نہیں ٹھہرتا فوراً پھسل کر نیچے بہہ جاتا ہے اس کے مقابلے میں ایک دوسرا درخت ہے جس کے پتوں میں کھدر کے کپڑے کی خاصیت ہوتی ہے بارش کا قطرہ پڑتا ہے تو ان کے اندر جذب ہو جاتا ہے۔ پس ہر درخت کے پتوں کا اپنا کام ہے ہر ایک کو جس چیز کی ضرورت تھی اس قسم کا ماہر ڈاکٹر طبیب، باورچی، درزی وغیرہ سارے کے سارے شعبے خدا تعالیٰ نے اس کے اندر ہی قائم کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان سے فرمایا کہ میں نے تیرے ساتھ کسی اور قسم کا معاملہ کرنا ہے۔ میں نے درخت کو اس لئے بنایا تھا کہ وہ تیرا خدمت گزار بنے اور تجھے میں نے اس لئے پیدا کیا اور پروان چڑھایا ہے کہ تو میرا خدمت گزار بنے اس لحاظ سے ان دونوں مخلوقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے پس سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (ابراھیم: ۳۴) کہہ کر اس کائنات عالم کی ہر چیز اور ہر مخلوق کو انسان کی خدمت پر لگا دیا۔ فرمایا تیری پیدائش کی غرض یہ ہے کہ تو میرا خادم بنے اس لئے جو صفات میرے خادم میں ہونی چاہئیں وہ تجھے خود اپنے اندر پیدا کرنی پڑیں گی جو صفات تیرے خادم میں ہونی چاہئے تھیں اور وہ از خود پیدا نہیں کر سکتا تھا اور تو بھی اس میں پیدا نہیں کر سکتا تھا اس کا میں نے انتظام کر دیا ہے۔ تیری طاقت سے زیادہ تجھ پر بوجھ نہیں ڈالا لیکن تجھے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ میں نے تجھے اپنا خادم، اپنا عبد بننے کے لئے پیدا کیا اور تیری رہنمائی کی اور پھر تجھے جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی قوتیں بھی عطا کیں اور ان قوتوں کی نشوونما کے کمال تک پہنچنے کے سامان بھی مہیا کئے اور ان کو جاننے پہچاننے اور ان سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کے جو ذرائع تھے وہ بھی تجھے عطا کئے۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں آسمان اور زمین سے رزق عطا کیا ہے اور تیری سمع اور بصر کے ہم مالک ہیں یعنی ہم نے انہیں پیدا کیا اور جس قسم کی سمع اور بصر ہونی چاہیئے تھی وہ سمع اور بصر ہم نے پیدا کی۔ سورۂ سجدہ کی آیت میں تھا جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ مگر سورۂ یونس کی آیۂ کریمہ میں سمع اور بصر کی ایک دوسری خصوصیت کا ذکر کرنے کے لئے جَعَلَ کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ فرمایا ہے اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کان اور آنکھ کا مالک ہے۔ سورۂ سجدہ کی آیۂ شریفہ میں عطا کا ذکر تھا کہ ہم نے یہ یہ سامان پیدا کئے ہیں اور یہ یہ نعمتیں عطا کی ہیں تم ان سے کما حقہ فائدہ اُٹھاؤ اور یہاں اس آیہ کریمہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ سمع اور بصر کا استعمال اسی طرح ہونا چاہیئے جس طرح ہم نے حکم دیا ہے کیونکہ ہم مالک ہیں تم مالک نہیں ہو۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اپنا خادم بننے کے لئے پیدا کیا ہے اور اپنے فضل سے ساری دنیا کو تمہاری خدمت پر لگا دیا ہے تا کہ تمہارے قویٰ کی صحیح نشوونما ہو سکے۔ تمہیں میرا حقیقی عبد بننے کے لئے جس ہدایت رہنمائی کی ضرورت تھی وہ بھی میں نے نازل کی بنی نوع انسان کی ترقیات کے لئے تازہ بتازہ کلام اُتارا اگرچہ کامل اور مکمل کلام اور کامل اور مکمل وحی کا نزول آنحضرت ﷺ پر ختم ہو گیا لیکن اس کامل وحی کو سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ذیلی وحی از بس ضروری تھی۔ آسمان سے رحمت باراں کا نزول ہوتا ہے پانی بہہ کر دریاؤں کی شکل اختیار کر لیتا ہے اگر اس کے آگے بند نہ باندھے جائیں، تالاب نہ بنائے جائیں یا دریاؤں سے نہریں کھود کر پانی کو استعمال میں نہ لایا جائے تو پانی ضائع چلا جاتا ہے۔ اسی طرح آسمان سے وحی کے نزول اور اس کی حفاظت اور اس کے صحیح استعمال کے سامان ذیلی یا ظلی یا تابع وحی کی صورت میں پیدا کر دیئے اس وحی کو سننے کے لئے کان اور اس کے نتیجہ میں دنیا میں جو ایک تغیر عظیم پیدا ہوا اس کے دیکھنے کے لئے آنکھ اور اس روحانی انقلاب سے نتائج اخذ کرنے کے لئے دل بنایا ہے۔ یہاں سورہ یونس کی آیہ مبارکہ میں اسی مضمون کو اس کے نتیجہ کے رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں سمع اور ابصار دیں یعنی کان اور آنکھیں عطا کیں اور مالک ہونے کی حیثیت سے تمہاری ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلا دی ہے اور ان ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کے لئے ہدایت ورہنمائی کے سامان بھی مہیا کر دیئے ہیں۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں کو ان کے مالک کے احکام کے مطابق استعمال میں لاؤ جس کے نتیجہ میں تمہارا دل صحیح تعلیم کو اخذ

کرے اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے تمہارے اندر ہمت وعزم پیدا ہو۔ جب تم ایسا کرو گے تو نتیجۃً یُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ مردہ قوم میں سے ایک زندہ قوم نکل آئے گی۔ اہل مکہ بتوں کو پوجتے تھے۔ ہر قسم کے گند میں مبتلا تھے۔ اپنے خالق و مالک خدا سے دور، اتنے دور کہ ان کی دوری ہمارے تصور میں بھی نہیں آ سکتی مگر اسلام پر عمل پیرا ہونے سے ان کے اندر زندگی کے آثار نمودار ہوئے ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے اور ان میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پیدا ہوئے۔ یُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ کا ایک عجیب نظارہ رونما ہوا۔ آسمان سے روحانی رزق کے نزول کے نتیجہ میں ان کے اندر ایک عجیب روحانی زندگی پیدا ہوگئی اس کے برعکس جو شخص سمع اور ابصار کے مالک کی ہدایات پر عمل پیرا نہیں ہوتا اس کا باپ خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو وہ یُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ کا مصداق ہوتا ہے۔ وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث نہیں بن سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا حصول الٰہی ہدایتوں پر عمل پیرا ہونے پر منحصر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں ان نظائر اور شواہد سے سمجھ لینا چاہئے کہ میں اس طرح پر اپنے امر اور اپنے حکم کو اپنی تدبیر کے ذریعہ نافذ کیا کرتا ہوں اگر آدمی سمجھے اور غور کرے تو اس کے لئے اس نتیجے پر پہنچنا کوئی مشکل امر نہیں کہ حقیقی سہارا اللہ تعالیٰ کا سہارا ہے اصل پناہ اللہ تعالیٰ کی پناہ ہے۔ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار نہیں کرتے؟ تم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں نہیں آتے؟ اس کو اپنا سہارا نہیں بناتے؟ اس کی انگلی نہیں پکڑتے کہ تم صحیح راہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کے پیارے اتنے پیارے کہ جتنے بیٹے پیارے ہوتے ہیں بن جاؤ تم اس کے ایسے خادم بن جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ انتہائی شفقت کرتا ہے تم اس کے ایسے عبد بن جاؤ جن سے وہ انتہائی محبت کرتا ہے۔

یہ تو تھا روحانی دنیا کا ذکر اب اقتصادیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اقتصادی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں زمین و آسمان میں جو بھی نعمتیں نظر آتی ہیں میں ان سب کا پیدا کرنے والا اور میں ہی سب کا رازق ہوں میں ہی ان تمام چیزوں کا مالک ہوں اس لئے میری ہدایات کے مطابق اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں سے کام لیتے ہوئے دنیا میں ایک ایسا اقتصادی نظام قائم کرو ایسا ہمہ گیر اقتصادی منصوبہ تیار کرو جو زندہ کرنے والا ہو مارنے والا نہ ہو۔ اگر تم ایسا اقتصادی نظام قائم کرو گے جو زندگی بخش ہو ہلاک کرنے والا نہ ہو تو اس کے نتیجہ میں تمہارے ذہن میں، تمہارے اخلاق میں اور تمہاری روح میں بھی ایک

جلا پیدا ہو جائے گی جس سے وہ مقصد پورا ہو جائے گا جس کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا ہے۔

اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ بن نہیں سکتا ، اللہ تعالیٰ کی بندگی کے سارے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے جب تک کہ انسانی تدبیر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے ہمرنگ نہ ہو جائے کیونکہ مدبر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ ہماری ساری تدبیریں بے نتیجہ ہیں اگر ہم اپنی تدابیر کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے جلوہ کے رنگ میں رنگین نہیں بنا لیتے ۔اب چونکہ دیر ہو گئی ہے اس لئے میں اس حصہ کو چھوڑتا ہوں۔

قرآن کریم نے ایسے بہت سارے مکر اور تدابیر کا ذکر کیا ہے جو الٰہی تدابیر کے مقابلے پر کھڑی ہوتی اور ناکام ہوتی ہیں اس کی پھر آگے مثالیں دے کر ہمیں سمجھایا ہے اور ہماری عقل اور ہمارے جذبات کو اپیل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دیکھو! جس کی تدبیر ہماری تدبیر کے قدم بقدم چلے گی وہ تو کامیاب ہوگا اور جس کی تدبیر ہماری تدبیر کے پہلو بہ پہلو نہیں چلے گی وہ کامیاب نہیں ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے مسلمان بندے! اقتصادی دنیا میں تیری ہر تدبیر اللہ تعالیٰ کی زمین و آسمان پر حاوی اقتصادی تدابیر کے مطابق اور ہمرنگ ہونی چاہئے۔انسان کی جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں جو تدابیر جاری کر رکھی ہیں یعنی اقتصادی نظام قائم کر رکھا ہے (یہ مسئلہ چونکہ بنیادی اور بڑا اہم ہے اس لئے میں اس کو بار بار دہرا رہا ہوں) اس کو رب العالمین کے چھوٹے سے فقرہ میں بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ رب العالمین کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا، ان کے اندر مختلف طاقتیں اور قوتیں ودیعت کیں ۔ان طاقتوں اور قوتوں کی کما حقہ نشوونما کا خود متکفل بنا اور اگر کسی شخص کو وہ سامان میسر نہیں آتے یا اس کا حق اسے نہیں ملتا (اب ہم انسان کی دنیا میں آ جاتے ہیں) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ظالم ہے جو اس کا حق چھین رہا ہے انسانی ضرورت کی ہر چیز کو حق قرار دیا ہے اور اس ضرورت کے اظہار کو درخواست کرنے یا بھیک منگا بننے کی کیفیت سے دوچار نہیں ہونے دیا بلکہ فرمایا ہے درخواست کرنے کی کیا ضرورت ہے بھیک مانگنے کی نوبت کیوں آئے تمہاری ہر ضرورت تو تمہارا اپنا حق ہے جسے تم اپنی طاقت اور استعداد کے مطابق اس کی نشوونما کے لئے حاصل کر سکتے ہو البتہ ہر اس چیز کو رد کر دیا ہے جو انسانی طاقت اور استعداد کی نشوونما کے لئے ضروری نہ تھی مثلاً ایک کمزور ذہن کا بچہ جو 280 نمبر لے کر میٹرک پاس کرتا ہے اگر وہ یہ کہے کہ میرا یہ حق بنتا ہے کہ مجھے کالج میں پڑھوایا جائے

تو اس کو ایک مسلمان یہ کہے گا کہ دیکھو تم نے یہ ثابت نہیں کیا کہ آگے کالج میں پڑھنا تمہارا حق بنتا ہے کیونکہ اگر تو نے واقعی محنت کی ہے (عام طور پر بچے اس بات سے انکار کر دیتے ہیں کہ انہوں نے وقت ضائع کیا) اور اللہ تعالیٰ نے تجھے اتنی ہی قابلیت دی تھی کہ تو دسویں جماعت میں مر مر کے پاس ہوتا۔ سو تو پاس ہو گیا تو اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے۔ تیرا ذہن آگے ترقی نہیں کر سکتا اب تیری مزید پڑھائی پر پیسہ خرچ کرنا دراصل پیسہ ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ربّ العالمین کی حیثیت سے انسان کے جملہ حقوق کی ادائیگی کے لئے تمام ضروری سامان پیدا کر دیئے لیکن چونکہ انسان کی ذہنی، اخلاقی اور روحانی قوتوں کی نشوونما بھی ضروری تھی کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنی پیدائش کے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کے ماتحت تدبیر کے ایک چھوٹے سے حصہ کو ایک حد تک انسان کے اختیار میں دے دیا اور اسے فرمایا کہ میرے کہنے کے مطابق چل تجھے میری رحمتوں اور میرے فضلوں کے نتیجہ میں بے انتہا خزانے مل جائیں گے اور پھر تو جو بھی تدبیر کرے گا وہ رب العالمین کی صفت کے ماتحت اس کی ربوبیت کی ظلیت میں ہوگی اس طرح تو میرے حکم کے مطابق اقتصادی نظام بنائے گا اور اسے جاری کر سکے گا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تقسیم میں تفاوت پیدا کر دیا۔ کسی کو کمانے کی زیادہ طاقت دے دی اور کسی کو کم ورنہ تو ہمارا ہرن والا حال ہو جاتا یا شیر والا حال ہو جاتا اور جب انسان نے کما لیا تو فرمایا کہ اس میں سے خود دوسروں کے حقوق ادا کرو میں تمہیں بہت بڑا ثواب دوں گا۔ تیرے پاس جو مال ہے یہ دراصل تیری اخلاقی، تیری ذہنی (غور کریں تو یہ بھی شامل ہے) اور تیری روحانی ترقی کے لئے ہے۔ وہ اس طرح پر کہ تیرے مال میں بکر کا حق بھی شامل ہے اب یہ تیری اخلاقی اور روحانی ذمہ داری ہے کہ تو بکر کا حق اسے پہنچا دے ادھر بکر کو یہ کہا کہ حق تو تیرا تھا تجھے استعداد بھی دی تھی لیکن تجھے تکبر اور غرور سے بچانے کے لئے میں نے تیرا حق کسی اور کو دے دیا ہے اب وہ تجھے دے دے گا ادھر اسلامی حکومت کو یہ کہا کہ اگر کوئی شخص رضا کارانہ طور پر دوسرے کے حقوق ادا نہیں کرتا تو یہ تمہارا کام ہے کہ تم حق دار کو اس کا حق دلواؤ لیکن اس دنیا میں مختلف Isms (ازمز) جب نعرے لگاتے ہیں تو وہ انسانی حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اسی طرح ان میں سے وہ جو اسلام کے اقتصادی اصول کو اچھا سمجھتے ہیں وہ بھی ان اصول کو اپنانے سے گریز کرتے ہیں آپ اس بارہ میں غور کریں اور سوچیں۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے اور سوچا ہے

مجھے تو اس کی ایک وجہ یہ نظر آتی ہے کہ اگر وہ یہ کہیں کہ اسلام نے ایک حسین اقتصادی نظام قائم کیا ہے ہم اس پر چل کر دنیا کو اس کے اقتصادی حقوق دلوائیں گے تو اس کے ساتھ ہی انہیں اسلام کی عاید کردہ پابندیوں کو بھی ماننا پڑتا ہے۔لیکن ایک شخص جو شراب پینے کا عادی ہے وہ یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں اسلام کے اقتصادی نظام کو جاری کروں گا جب کہ وہ خدا تعالیٰ کی عطا کے ایک حصہ کو خود ہی غلط طور پر استعمال کرنے والا ہے۔اس واسطے ایسے لوگ زبانی طور پر تو اسلام کے اقتصادی نظام کی خوبیوں کو مانتے ہیں لیکن درحقیقت اس پر عمل پیرا ہونے کی طرف آتے ہی نہیں صرف کہہ دیتے ہیں کہ ہاں یہ بڑی اچھی تعلیم ہے ایک ہی بات ہے کوئی نام لے دو یہ اصولی طور پر ایک بات نہیں کیونکہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے اسلام کے اقتصادی اصول کو اپنانا اور جاری کرنا ہے اور ان کے ذریعہ ہر ایک آدمی کے حق کو دینا اور دلانا ہے تو ساتھ ہی اسے اسلام کی عائد کردہ پابندیوں کو قبول کرنے کا بھی اقرار کرنا پڑے گا۔اس کے بغیر حقوق کی کما حقہ ادائیگی ممکن ہی نہیں۔مثلاً اسلام نے یہ پابندی لگائی ہے کہ اسراف نہ کرو اب جو شخص خدا تعالیٰ کے کہنے کے مطابق ایک لاکھ روپیہ کسی اور کا زائد اپنے پاس رکھتا ہے اگر وہ اسراف کرتا ہے تو گویا اس نے ایک لاکھ روپیہ کسی غیر کا اسراف کی نذر کر دیا اب وہ یہ حق اصل حق دار کو کیسے پہنچائے گا غرض اسلام یہ کہتا ہے کہ اسراف سے کام نہ لو ورنہ تم وہ حق ادا نہیں کر سکو گے جو میں نے قائم کیا ہے اسی طرح اسلام نے یہ بھی کہا ہے کہ بخل نہ کرو کیونکہ اس صورت میں اگر تمہارے پاس روپیہ ہوگا بھی تو تم دوسرے کو دینے سے گھبراؤ گے تمہاری طبیعت دوسرے کو دینے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔پس اسلام نے اسراف سے بھی بچایا اور بخل سے بھی۔افراط سے بھی بچایا اور تفریط سے بھی۔

اسلام کے اقتصادی نظام کی رو سے انسان کی تمام طاقتوں کی بہترین نشو ونما کے لئے جو سامان پیدا کئے گئے ہیں ان سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کے لئے جو مال و دولت کسی کو حاصل ہوتی ہے اس کے رکھنے کی اسے صرف اس حد تک اجازت ہے جو اس کا حق ہے۔پس یہ حق و حکمت پر مشتمل اقتصادی نظام اس بات کی بھی ضمانت دیتا ہے کہ اے انسان! میرے دائرہ انتظام کے اندر تجھے امیر کہہ کر کوئی تیرا مال نہیں چھینے گا۔تجھے امیر کہہ کر کوئی تیری جان لینے کے درپے نہیں ہوگا۔تیرے بچوں کو ظلم و تشدد کا نشانہ نہیں بننے دیا جائے گا۔اسلام کے اقتصادی نظام کی رو سے کسی کی اپنی یا اس کے بچوں یا دوسرے Dependents (متوسلین) کی جتنی اور جس قدر قوتیں اور استعدادیں ہیں ان کی صحیح اور کامل نشو ونما کے لئے جس چیز کی

بھی ضرورت ہے وہ ان کا اپنا حق ہے دنیا کی کوئی طاقت ان سے اس حق کو چھین نہیں سکتی۔ لیکن جو چیز ان کی ضرورت سے زائد ہے وہ دراصل ان کی نہیں بلکہ کسی دوسرے کی ہے اس لئے جو چیز زائد ہے اسے شراب میں اسے جوئے میں، اسے سٹے میں، اسے گھوڑ دوڑ میں، اسے جوئے کی مشینوں میں مت لگاؤ (شیطان نے اب جوئے کی ہزار شکلیں بنا دی ہیں۔ بعض ملکوں میں ہر گلی کے کونے پر جوئے کی مشینیں لگ گئی ہیں جس کی وجہ سے جوا کھیلنے کے لئے دوسرے ساتھی کی ضرورت نہیں رہی۔ اس کی جگہ لوہے سے کام لے لیا گیا ہے اور لوگ جوا کھیلنے کی Urge خواہش کو وہیں جا کر پورا کر لیتے ہیں)

اسلام کا اقتصادی نظام کہتا ہے کہ میں نے یہ چیزیں تیرے لئے پیدا نہیں کیں تیرے قویٰ کی نشوونما میں ان چیزوں کا کوئی حصہ نہیں۔ اس واسطے تو ان چیزوں پر خرچ نہیں کر سکتا۔ پس امیر کے جائز حق کو تو قائم کیا لیکن دوسروں کی حق تلفی کی اسے اجازت نہیں دی۔

پس اسلام کے اقتصادی نظام نے انسانی ضرورت کی بڑی واضح اور معین تعریف کر دی ہے کہ انسان کی جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی قوتوں کی نشوونما کے لئے جس چیز کی جس قدر ضرورت ہے وہ اس کا حق ہے اور وہ چیز اس سے چھینی نہیں جائے گی۔ لیکن جو چیز اس کی ضرورت سے زائد ہے اور اس کی قوتوں کی نشوونما کے لئے اس کی ضرورت نہیں وہ دراصل اس کی نہیں بلکہ کسی اور کی ہے جس کو قوتیں تو عطا ہوئیں لیکن ان کی نشوونما کیلئے سامان میسر نہیں آئے ظاہر ہے اگر واقعی ہم خالق کل اور ربّ العالمین پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمیں اس کی صفات کا عرفان حاصل ہے تو پھر اس نظام کے سمجھنے میں کوئی ابہام اور الجھن باقی نہیں رہتی۔ کیسا حکیمانہ نظام ہے کہ ایک شخص کو کہا کہ جتنی قوتیں تجھے بخشی ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے سامان تمہیں عطا کر دیئے ہیں۔ دوسرے سے کہا کہ جتنی قوتیں تجھے عطا کی ہیں ان سے کما حقہ فائدہ اُٹھانے کے لئے تجھے پورے سامان میسر نہیں آئے۔ یہ تفاوت اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس طرح تمہاری اخلاقی اور روحانی قوتوں کی نشوونما کے سامان پیدا ہوں۔ ایک قربانی دینے والا ہو اپنے ربّ کی خوشنودی کے حصول کے لئے اور دوسرا تکبر اور غرور سے بچنے والا ہو اپنے ربّ کے قہر اور غضب کے خوف سے۔ اللہ تعالیٰ نے یوں مختلف شکلوں میں سہارا دے کر انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کو بلند کیا ہے۔

پس یہ تفاوت پیدا کر کے ہمیں صاف طور پر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ جہاں رزاق ہے وہاں وہ مالک بھی

ہے جس کو جس قدر چاہتا ہے عطا کرتا ہے اس واسطے اس کی ہدایات کے مطابق رزق کا استعمال ہونا چاہئے۔ دوسری جگہ فرمایا کہ زمین و آسمان میں اسی کی تدبیر کار فرما ہے اور انسانی قوتوں کی نشوونما کے لئے اس کی دوسری تدبیروں کے علاوہ ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے انسان کو اپنی وحی کے انعام سے سرفراز کیا۔ اس کے مطابق ہی انسان آگے ترقی کر سکتا ہے۔ یہاں مالک کہہ کر اس طرف توجہ دلائی ہے کہ انسان کی سمع اور بصر اور اس کے دل حتی کہ اس کی ہر چیز کا میں ہی مالک ہوں۔ اس لئے ہر چیز کو میرے کہنے کے مطابق خرچ کیا جائے جس کا بالآخر یہ خوشکن نتیجہ نکلے گا کہ وہ دنیا جو اقتصادی لحاظ سے غلام بنائی گئی جو اقتصادی لحاظ سے ہلاکت کے گڑھے میں پھینکی گئی اور جو اقتصادی لحاظ سے موت کے منہ میں پڑی ہوئی ہے اسے ہمارے اس اقتصادی نظام کے قیام کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے خوشحال اقتصادی زندگی نصیب ہوگی۔ چنانچہ میرے پاس جو بھی دوست آتے ہیں میں تو ان سے کہا کرتا ہوں کدھر بھاگے پھرتے ہو تم Minimum Necessities of Life (کم سے کم ضروریات زندگی) کی باتیں کرتے ہو یعنی یہ کہ ہر ایک کو کم سے کم ضروریات زندگی بہر حال میسر آنی چاہئیں۔ لیکن تم اس نظام زندگی کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو جو کہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ انسانی ضروریات جو ہیں وہ بہر حال پوری ہونی چاہئیں۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں کم سے کم کا کوئی تصور پایا ہی نہیں جاتا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ دینے اور دلانے کی ہدایت موجود ہے یعنی جو چیز انسانی قوتوں کی نشوونما کو کمال تک پہنچانے میں ممد و معاون ہے وہ اسے بہر حال زیادہ سے زیادہ میسر آنی چاہئے صرف Basic Necessities of Life (زندگی کی بنیادی ضروریات) مہیا کرنا یا نیم مُردہ اور نیم زندہ رکھنا یا محض زندہ رکھنا اور مرنے سے بچا لینا یہ تو کوئی بات نہیں حالانکہ یہی جسمانی طاقت تو ایک مومن کے روحانی ارتقاء میں ممد و معاون بنتی ہے جیسا کہ مقولہ مشہور ہے کہ روح تو بلند پروازی کی بڑی خواہش رکھتی ہے لیکن جسم ساتھ نہیں دے رہا جسم اس بلند پروازی کا متحمل نہیں یہ بات ٹھیک بھی ہے مثلاً ایک آدمی بیمار ہے وہ کھانسی کی تکلیف کی وجہ سے رات گئے تک کھانستا رہتا ہے رات کے دو بجے تہجد پڑھنے کے لئے اُٹھنا اس کے لئے ممکن ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو معاف تو کر دے گا لیکن معافی اور چیز ہے اور تہجد کا انعام نہ ملنا اپنی جگہ ایک حقیقت ہے۔

خطبہ کافی لمبا ہو گیا ہے اور واپس بھی جانا ہے اس لئے باوجود اس کے کہ مجھے دوستوں سے ملنے کی

زبردست خواہش تھی میں اس وقت ملاقات سے معذور ہوں۔ آپ کو بعد میں کسی جمعہ کے دن یا کسی اَور موقع پر ملاقات کا وقت انشاءاللہ ضرور دوں گا کیونکہ آپس میں ملنا باتیں کرنا اور مشورے لینا جماعتی زندگی کے لئے بڑی ہی ضروری بات ہے البتہ یہ ضروری نہیں کہ ایک خاص بات کو سامنے رکھ کر مشورہ ہو ہزار قسم کی باتیں ہیں جن کا آپس میں ملنے ہی سے پتہ لگتا ہے دوست جب مجھ سے ملنے آتے ہیں ایک دوسرے کی سننے اور سنانے سے مجھے بہت سی نئی نئی باتوں کا علم ہوتا رہتا ہے۔ حالات و واقعات کے مختلف پہلو سامنے آتے رہتے ہیں۔ دوستوں کی انفرادی اور خاندانی مشکلات سامنے آتی ہیں تو دعا کے لئے تحریک ہوتی ہے۔ یہاں مسجد میں زیادہ لمبی باتیں ویسے بھی نہیں ہوسکتیں اس لئے امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے معاف کریں گے اور اجازت دیں گے کہ نماز پڑھانے کے بعد واپس چلا جاؤ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاءاللہ پھر ملیں گے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۹ء صفحہ ۲ تا ۹)

☆......☆......☆